ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

محمد خالد اختر کے اسفار کا اختصاصی پہلو

SPECIFIC ASPECT OF MUHAMMAD KHALID AKHTAR'S TRAVELS

***ڈاکٹر سائرہ ارشاد**
لیکچرار، شعبہ اُردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی، بہاول پور
****ڈاکٹر جاوید اقبال جاوید**
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور
*****ڈاکٹر عظمیٰ بشیر**
اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

ABSTRACT:
Muhammad Khalid Akhtar is a famous writer of Urdu literature. The collection of his travelogues "Mohammad Khalid Akhtar" is based on his travels in 5 years. The greatest achievement of any writer is that his interest in writing is maintained. Muhammad Khalid Akhtar's travels are intellectually evolving. Interesting and realistic contemporary in the travels of Mohammad Khalid Akhtar Includes image based on His powers of observation are admirable and his style of writing is very attractive. During his travels, Mohammad Khalid Akhtar gives various fictitious names keeping in view the appearance, shape and speech of the people he encounters, in which famous characters of Western novels are prominent. This style of theirs fascinates the reader.
Keywords: *Literary Consciousness, Magical Beauty, Desert Jungle, Broad Theory, Western Literature, Intellectual Evolution, In-Depth Observation, Mild Humor.*

محمد خالد اختر اُردو اَدب کے مایہ ناز ادیب ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد کا تعلق گجرات سے تھا۔ محمد خالد اختر کے دادعبدالمالک عربی اور فارسی زبان کے عالم تھے، علم و حکمت کے ساتھ خوش نویس بھی تھے نیز فارسی میں شاعری کرتے تھے۔ انھوں نے "شاہان گوجر" کے نام سے گوجروں کی تاریخ لکھی۔ محمد خالد اختر کے والد مولوی اختر علی نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ۱۹۱۳ء میں ریاست بہاول پور سے نائب تحصیل دار کی حیثیت سے کیا۔ اُنھوں نے اپنی ملازمت کا زیادہ تر وقت بہاول پور میں گزارا ۔ محمد خالد اختر ریاست بہاول پور کے قصبہ الہٰ آباد میں ۲۳ جنوری ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے۔ مولوی اختر کی خواہش تھی کہ ان کی اولاد علم کے زیور سے آراستہ ہو، انھوں نے اپنے بیٹے محمد خالد اختر کی تعلیم پر خاص توجہ دی، اس تعلیم و تربیت کا اثر محمد خالد اختر کے بچپن پر بہت ہوا، جو کہ بہاول نگر میں گزرا، اسی انسیت نے ان کی تعلیم و تربیت پر گہرے اثرات مرتب کیے:

> "بہاول نگر جہاں ان کا جنم ہوا، یاد کر کے آزردہ رہتے۔ زندگی بسر کرتا ہوں عجیب سکھ بھرے دن تھے صحنوں میں آرام و سکون سائے ، زندگی بے حد مہربان تھی اور بیریوں سے لے کر در و دیوار تک سے خنکی کا احساس باقی تھا۔ میں اور میری بڑی بہن دیر تک کھیلتے۔ زندگی کے بارے میں رنگ رنگیلے خواب بنتے۔ لیکن میرے اندر نامرادانہ خواہش نے اس وقت سر اٹھایا جب میرے والد صاحب بہاول پور ہمیں لے کر آئے۔ ریاست بہاول پور کا باوا آدم ہی نرالا تھا۔ بچپن کے سنگی ساتھی چھوٹنے کا دکھ جو میری کوکھ میں پلنا شروع ہوا ہے تو آج تک اس کی کسک باقی ہے۔"(۱)

محمد خالد اختر نہایت ہی دھیمے مزاج کے حامل اور وضع دار انسان تھے۔ اردو ادب کے یہ بے مثال ادیب و مصنف بہاول پور کے متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ انھوں نے دنیاداری کی طرف کبھی دلچسپی کی نظر نہیں کی۔ ۱۹۸۰ء میں ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد دنیا سے مکمل طور پر کٹ کر رہ گئے۔ ۲ فروری ۲۰۰۲ء میں یہ عظیم ہستی دار فانی سے کوچ کر گئی۔

محمد خالد اختر کی ادبی خدمات پر مشتمل تصانیف میں " بیس سو گیارہ"، "چاکی واڑہ میں وصال"، "کھویا ہوا افق"، " ایلی کا خواب نگر"، "دو سفر"، "چچا عبدالباقی"، "مکاتیب خضر"، "یاترا"، "ابن جبیر کا سفر" اور " ریت پر لکیریں" شامل ہیں۔ محمد خالد اختر کی ادبی و علمی خدمات کے اعتراف کے سلسلے میں انہیں "دوحہ قطر" میں ۲۰۰۱ء کو عالمی اردو ایوارڈ سے نوازا گیا۔ ان کی کتاب "کھویا ہوا افق" (افسانوں اور مضامین کا مجموعہ) کو آدم جی ادبی ایوارڈ کا مستحق ٹھہرایا گیا۔

محمد خالد اختر کے سفر ناموں کا مجموعہ "مجموعۂ خالد (سفر نامے)" ۳۵ سال میں کیے گئے اسفار پر مبنی ہے جن کا احوال ۱۰ سفر ناموں کی صورت میں شائع کیا گیا۔ محمد خالد اختر کے یہ سفر نامے پختہ ادبی شعور کے حامل ہیں۔ سفری روداد "کاغانی مہم" کاغان کے سفر سے متعلق لکھی گئی ہے۔ محمد خالد اختر اپنے دوست ڈمبل کے ساتھ راول پنڈی

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

بس سروس کے ذریعے ایبٹ آباد پہنچتے ہیں۔ رہائش کے لیے ایک درمیانے درجے کا ہوٹل منتخب کیا جاتا ہے جہاں ریستوران کے پیچھے چبوترا تھا اور مختلف جانور بندھے ہوئے تھے۔ مصنف اس تلخ تجربے کو مزاح سے بھرپور انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے دوست کے ساتھ بالاکوٹ جانے والی بس میں سوار ہوتے ہیں۔۔ جیپ جب تنگ راستوں سے گزرتی ہے تو واقعتا اس راستے کی دشواری کا اندازہ ہوتا ہے جس کا اظہار ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

> "ایک دفعہ ہم موڑ گھومے تو اچانک جیپ سڑک کے کنارے پر ہزاروں فٹ نیچے کہسار کے اوپر ٹنگی ہوئی تھی۔ اگرچہ یہ ایک انچ بھی سڑک کے اِدھر جا پڑتا تو یقیناً جیپ اُلٹ کر نیچے غصیلے کہسار میں جا گرتی اور آپ یہ سفری روداد نہ پڑھ رہے ہوتے۔" (۲)

محمد خالد اختر کے بعض مواقع پر اظہارِ خیال سے لگتا ہے کہ جیسے وہ فطرتاً قنوطیت پسند ہیں۔ مثلاً جب جیپ ایک خطرناک موڑ سے گرتے ہوئے بچی تو ان کے دل میں خیال آتا ہے کہ کاش گر جائے اور سب ختم ہو جائے۔ محمد خالد اختر کا اندازِ بیاں تخیلاتی ہونے کے ساتھ ساتھ دلچسپ بھی ہے۔ "اپنے قربت داروں کی صحبت میں" کے ذیلی عنوان سے "گوجر" خانہ بدوش گلہ بانوں سے ملاقات کا احوال بیان کیا گیا ہے۔ تاہم دورانِ ملاقات وہ رقم بٹورنا چاہتے ہیں تو اس فطرت کا اظہارِ خیال ان لفظوں میں کیا گیا ہے:

> "بھیڑوں اور مویشیوں کے گلہ بان اور چور آخری پشتوں میں عالم شاعر اور مصنف بن گئے۔" (۳)

محمد خالد اختر اس بے لاگ تبصرے کو خوب صورتی سے بیان کرتے ہیں۔ ان کی جزئیات نگاری نہایت عمدہ ہے۔ محمد خالد اختر کو ہزاروی کی ہمدردی مہنگی پڑتی ہے کیوں کہ اس کے واپسی تک کے تمام اخراجات انھیں برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ محمد خالد اختر اور ان کا دوست ڈمبل بس کے ذریعے اپنی رہائش کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ یوں یہ سفر اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔ اس سفری روداد کے ذریعے محمد خالد اختر ایک سیاح کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں اور اپنے مشاہدات کی حقیقی عکاسی کرتے ہیں۔ منیر احمد شیخ "دو سفر" پر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:

> "کسی نے اگر پاکستان کے یہ خطے نہیں دیکھے جن میں محمد خالد اختر کا گزر ہوا ہے تو وہ ان خطوں کے لینڈ سکیپ کی رنگین تصاویر کو ان تحریروں میں دیکھ سکتا ہے۔" (۴)

دورانِ سفر پیش آنے والے حالات و واقعات اور اہل علاقہ کی تہذیب و تمدن کو بخوبی اُجاگر کیا ہے۔ محمد خالد اختر نے سوات کے سفر پر مبنی روداد "سواتی مہم" لکھی ہے۔ اس سفر میں ان کے شریکِ سفر "اپی کیورس" نامی دوست ہیں جو پیشے کے اعتبار سے سول انجینئر ہیں۔ یہ سفر بہاول پور سے بذریعہ ٹرین شروع ہو کر لاہور میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اس سفر کی پہلی منزل سیدو شریف ہے۔ تخیلاتی انداز میں سیدو شریف کے طلسماتی حسن کو بیان کیا گیا ہے۔ اس سفر کی تفصیلات کو نہایت باریک بینی سے بیان کیا جاتا ہے۔ محمد خالد اختر جوہر آباد کی کشادہ سڑکوں کا منظر بیان کرتے ہیں تاہم انھیں بے ربط سڑکوں اور گلیوں میں زیادہ رومان نظر آتا ہے:

> "میرے نزدیک اچھا شہر وہ ہے جس کے کوچے خوش آئند طریق پر ٹیڑھے میڑھے اور پیچیدہ ہوں اور جس کی اونچی اونچی، دو دو، سہ سہ منزلہ جھلملیوں کے دریچوں والی حویلیاں باہم دست و گریباں ہو رہی ہوں سب ایمان دار شہروں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔" (۵)

محمد خالد اختر معاشرے کو جس طرح دیکھنا چاہتے ہیں اس کا اظہار ایک ناصح کے طور پر نہیں کرتے بلکہ کبھی خفیف طنز میں اور کبھی بلاواسطہ اظہار کرتے ہیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ وہ سفر نامے کو اعداد و شمار کا پلندہ نہیں بناتے بلکہ صرف اہم نکات بیان کرتے ہیں۔ ملکوال ریلوے اسٹیشن پر پاکستانی شرفاء کے کھانے کے غیر معیاری ہونے پر طنز کرتے ہیں ۔ سوات کے خوب صورت نظارے دیکھنے کے بعد محمد خالد اختر جیسا قدرے مذہب بیزار آدمی بھی اس بات پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ خدائے بزرگ و برتر کی اس بے مثال صناعی کے شکر کی صورت میں سجدہ ریز ہو جائے۔ اس سفر کا دورانیہ محض چار دن ہے لیکن اس مختصر سفری روداد کو گہرے مشاہدات و جزئیات نگاری سے بیان کیا گیا ہے۔ محمد خالد اختر نے مسلسل روانی اور تسلسل کو برقرار رکھا ہے۔

"مجموعہ خالد اختر" میں شامل سفر نامہ "ایک خوش گوار سفر" محمد خالد اختر کے راول پنڈی کے سفر پر مبنی سفری سرگزشت ہے جہاں وہ اپنے بھتیجے کی شادی میں شرکت کے لیے جاتے ہیں اور اپنے دیرینہ دوست شفیق الرحمن کے ہاں قیام کرتے ہیں جو معروف ادبی شخصیت اور ریٹائرڈ آرمی آفیسر بھی ہیں ۔ سفر نامے کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ محمد خالد اختر کا دوست پرانی تصاویر دکھاتا ہے جب وہ بہاول پور قیام میں یہاں کے فوٹو گرافر سے بنواتے ہیں۔ انھیں دیکھ کر دونوں بہت جذباتی ہو جاتے ہیں۔ اس

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

کے بعد شفیق الرحمن اپنے ٹرنکوں میں رکھا گیا سامان دکھاتے ہیں جس میں دورانِ ملازمت حاصل کیے گئے تمغے، میڈل، وردیاں اور نایاب کتابیں شامل تھیں۔ محمد خالد اختر اپنے جذبات کی عکاسی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"میں نے اس کی کتابیں سالوں کے بعد دیکھیں۔ ایک پھانس سی میرے حلق تک آئی اور میں نے انھیں بھیگتی ہوئی آنکھوں سے، احترام سے ایک گوشے سے اُٹھایا۔" (۶)

اس سفر میں جہاں جذبات و احساسات کو بیان کیا گیا وہیں ان کے دوست شفیق الرحمن کی ذات اور ماضی کی یادیں بھی شامل رہتی ہیں۔ یہ سفری سرگزشت دیگر سفرناموں سے قدرے مختلف ہے کیوں کہ اس ذاتی سفرنامے میں محمد خالد اختر بطور سیاح دکھائی نہیں دیتے جب کہ معلوماتی پہلو بھی صرف ان کے دوست کے ادبی مشاغل اور تصنیفات تک محدود ہے نیز انگریزی ادب کے گم گشتہ مضمون نگاروں کی نایاب کتابوں سے واقفیت ملتی ہے۔:

"محمد خالد اختر کو پڑھنے والا اکثر یہ بھول جاتا ہے کہ وہ اردو پڑھ رہا ہے۔ اس میں انگریزی الفاظ کی بھرمار بھی نہیں ہے لیکن جملوں کی ساخت سراسر انگریزی ہے۔ شروع شروع میں یہ انداز غریب اور اکھڑا اکھڑا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں اس میں بانکپن کا لطف آنے لگتا ہے۔" (۷)

اس سفرنامے کا مجموعی تاثر دو عظیم دوستوں کی محبت سے گندھا ہوا ہے۔ اگر سفرنامے کی فنی بناوٹ کا جائزہ لیا جائے تو یہ ان تقاضوں پر پورا نہیں اُترتا لیکن جس خوش گوار انداز اور سلیقے کو مدنظر رکھا گیا وہ ان چیزوں کو کسی حد تک فراموش کر دیتی ہے۔

محمد خالد اختر کا سفرنامہ "مسٹر شتری کا پاکستان" ۱۹۵۹ء میں رائٹرز گلڈ کے دورہ مشرقی پاکستان کے تناظر میں لکھا گیا۔ فیلڈ مارشل ایوب خان نے مغربی پاکستان کے ادباء و شعراء کا وفد مشرقی پاکستان بھیجا۔ چند ہفتوں پر مشتمل اس دورے میں بنگالی میزبانوں نے رائٹرز گلڈ کے ارکان کی خوب آؤ بھگت کی۔ اس سفر سے واپسی کے بعد انھوں نے دو انگریزی مصنّفین ایرک لنک لیٹر اور چیسٹر ٹن کے ناولوں "دی فلائنگ ان" اور "اپو نیٹس پب" کا مطالعہ کیا تو ان کے ذہن میں خیال آیا کہ ناول کم سفرنامہ اُردو میں بھی ہونا چاہیے۔ لہٰذا محمد خالد اختر نے اس حوالے سے لکھنا شروع کر دیا اور چالیس صفحات ہی لکھ سکے کہ شدید بیمار ہو گئے ۔ الغرض انھوں نے اس ارادے سے اپنا ادھورا سفرنامہ شائع کرنے کے لیے اپنے دوست رفیق احمد نقش کو دیا کہ اگر پڑھنے والوں کو پسند آیا تو اسے پورا کر دیں گے۔

"مجموعہ محمد خالد اختر" میں شامل سفرنامہ "ڈیپلو سے نوں کوٹ تک" محمد خالد اختر کے سندھ میں صحرائے تھر کے دو قصبوں کی سیاحت پر مبنی ہے۔ یہ سفر ایک ساربان کے ہمراہ اونٹ کے ذریعے کیا گیا۔ خالد اختر کا یہ سفرنامہ بہت مختصر ہے جو کہ محض ایک چاندنی رات کے مشاہدات پر مشتمل ہے۔ اس سفرنامے میں محمد خالد اختر کا مخصوص ظریفانہ انداز اور شگفتگی برقرار رہتی ہے۔ سفرنامے کا آغاز ڈیپلو سے روانگی کی منظر کشی سے ہوتا ہے۔ وہ اپنے روایتی شگفتہ انداز اور خاص طریقے سے دلچسپ صورتِ حال بیان کرتے ہیں۔ ڈیپلو کے گاؤں سے روانگی کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"وہی میگنیوں والی گوبر سے اَٹی ہوئی ریتلی چراگاہ ٹیلوں پر جگالی کرتی ہوئی بکریاں کنویں میں سے پانی کھینچتی ہوئی تین عورتیں جو دور سے چڑیلیں معلوم ہوتی ہیں۔ ہیڈ ماسٹر وہی ٹھنگنا، گھبرایا ہوا، بدحواس آدمی اپنے الگ تھلگ مکان کے سامنے والی گلی میں کھڑا مجھے ہاتھ ہلا ہلا کر الوداع کہتا ہوا یا شاید مجھے یاد دلاتا ہو کہ میں پلٹ کر آتے ہوئے اس کے لیے نارنگیاں لانا نہ بھول جاؤں۔۔۔ یہی تھے ڈیپلو کے آخری نقوش۔" (۸)

محمد خالد اختر ان سادہ مگر خوش گوار یادوں کے ساتھ روانہ ہو جاتے ہیں۔ راستے میں صحرائی جنگل کے حسن کی خوب صورت منظر کشی کی گئی ہے۔ جنگلی موروں کا پروں کو پھیلانا، مورنیوں کی مسحور چال اور فاختہ کی آواز سے منسوب دلچسپ روایت بیان کی ہے کہ وہ بولتے وقت "یوسف کھوہ" کہتی ہے۔ فاختہ نے ہی حضرت یعقوبؑ کو آخر یوسفؑ کے کنویں میں ہونے کی اطلاع دی تھی۔ ڈیپلو سے نوں کوٹ تک کا راستہ ریتلی پہاڑیوں پر مشتمل ہے۔ اسی دوران رات ہو جاتی ہے اور سارا ماحول بدل جاتا ہے۔ دوران سفر جب بھی کوئی غیر مانوس آواز سنائی دیتی ہے تو وہ اپنے تخیل کی بناء پر اسے کسی مافوق الفطرت واقعے سے جوڑ کر دلچسپ صورتِ حال پیدا کر دیتے ہیں۔ یوں ایک غیر دلچسپ چیز کو پُر مسرت بنا کر اپنے پختہ شعور کا مظاہرہ کرتے ہیں:

"سفرنامہ اپنی کیفیتوں کے اظہار کا نام ہے۔" (۹)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

محمد خالد اختر اور ساربان ایک دوسرے کی زبان سے ناآشنا ہیں۔ ساربان نے ایک دوبار بات کرنے کی کوشش کی مگر تسلی بخش ردّ عمل سامنے نہ آیا تو وہ گانے لگا جس سے ایک نئی صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ جب وہ گانے کے سروں کا جائزہ لینے لگے تو فقط اتنا سمجھ سکے کہ مٹھو گھوڑا، مٹھو گھوڑا۔ ساربان کی اونٹ سے محبت دیکھ کر محمد خالد اختر تفصیلاً جانوروں سے محبت کے افکار بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان کا انسان سے زیادہ جانور کبھی وفادار نہیں ہو سکتا۔ جانوروں سے بے پناہ محبت کرنے والے یقیناً انسانوں سے بیزار ہوں گے۔ جو لوگ جانوروں کی محبت میں مبتلا رہتے ہیں ان کے اندر بھی اسی سوسائٹی میں رہنے کی اہلیت پروان چڑھتی ہے۔ ڈیپلو کے چند لوگوں کی مثال یوں بیان کی گئی ہے:

> "خود ڈیپلو میں دو آدمی ایسے ہیں جن سے مجھے اور ڈاکٹر کو ایک مستقل شکایت ہے۔ ایک تو وہ ہیڈ منشی جس کا ذکر آ چکا ہے اور دوسرا پوسٹ ماسٹر، دونوں مویشیوں کے سرگرم پالنہار ڈاکٹر انھیں ہمیشہ مذاقاً اور طنزاً کیٹل بریڈرز کے عقب سے یاد کرتا ہے۔ دونوں معقول انسانوں کی محبت پر حیوانوں کی محبت کو ترجیح دیتے ہیں۔"(۱۰)

رات کے آخری پہر کی سحر انگیزی کو خوب صورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ محمد خالد اختر لکھتے ہیں کہ میں نے آخر کار رات کو صبح کے ڈر سے دبے پاؤں بھاگتے ہوئے پکڑ لیا۔ اس وقت کا سحر بند کمروں میں سونے والے کبھی محسوس نہیں کر سکتے۔ وہ اس پہر کو کسی امیر آدمی کی دولت سے بڑھ کر قیمتی سمجھتا ہے کیوں کہ اس وقت اشجار اور جھاڑیاں نئی سانسیں لیتی ہیں۔ وہ اونٹ کے پُر اسرار بیٹھنے کے انداز کو ابوالہول کے مشابہہ قرار دیتے ہیں۔ محمد خالد اختر کی جزئیات نگاری اور قوتِ مشاہدہ تحسین کے لائق ہے۔

"مجموعہ محمد خالد اختر" میں شامل سفر ناموں میں "یاترا" کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ یہ تھر کے سفر پر مبنی سرگزشت ہے۔ برسوں قبل ان کا دوست ضیاء تھر میں بطور اُستاد ملازمت کرتا تھا اسی وجہ سے محمد خالد اختر اور اُن کا دوست ضیاء اپنے پرانے دوست چھمن داس سے ملنے جاتے ہیں۔ سفر کے آغاز میں وہ اپنے روایتی شگفتہ انداز میں ٹرین کے ذریعے نوں کوٹ تک پہنچنے کا احوال درج کرتے ہیں نیز ریلوے کی بدانتظامی اور ٹرین کی سست روی پر خفیف طنز کرتے ہیں۔ ٹرین کی سست خرامی کا احوال یوں بیان کیا گیا ہے:

> "اس خطے میں چلنے والی گاڑیوں کو کبھی جلدی نہیں ہوتی۔ وہ اپنے اوقات اپنی مرضی سے متعین کرتی ہیں جن کا ریلوے ٹائم ٹیبل سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔" (۱۱)

دورانِ سفر اپنے مشاہدات تخیلاتی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر تھر کا کسان اپنے کھیتوں میں کام کر رہا ہو تو وہ اس کی دلی کیفیت اور تھر کا باسی ہونے کے حوالے سے سرشاری کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی طرح پرندوں کی طرف سے ٹرین اور مسافروں کو دشمن تصور کرتے ہیں کیوں کہ ٹرین پرندوں کے اُڑنے یا گزرنے میں رکاوٹ کا باعث بنتی ہے۔

وہ اپنے دوست کے ہمراہ رات کے پہلے پہر اسلام کوٹ پہنچتے ہیں جہاں اپنے دوست کے سمدھی اور کزن دھرم داس کے گھر پہنچتے ہیں ۔ وہ محمد خالد اختر اور ان کے دوست کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے اس دوران چھمن داس کو بھی بلایا جاتا ہے۔ خوب گپ شپ ہوتی ہے اور انھیں سادہ مگر پُر وقار کھانا کھلایا جاتا ہے۔ ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ میں یہ علاقہ بھارتی فوج کے قبضے میں رہا لیکن ہندو آبادی کی وجہ سے بھارتی فوج نے زیادہ تباہی نہیں مچائی صرف پوسٹ آفس کے ایک حصے کو بم سے اُڑا دیا۔ میزبانوں کی طرف سے نگر پارکر کی دعوت بھی دی جاتی ہے لیکن محمد خالد اختر اور ضیاء معذرت کر لیتے ہیں۔ وہ اپنے میزبانوں کو مہربان فرشتوں سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ محمد خالد اختر لکھتے ہیں :

> "جب ہم نینو رام کے آشرم کے ٹیلے کی اُٹھان سے نیچے اُتر رہے تھے تو مجھے احساس ہوا جیسے صدیوں پیچھے کسی اور زمانے میں ان لوگوں کے سنگ رہ چکا ہوں۔" (۱۲)

محمد خالد اختر اور ضیاء آواگون کے نظریات سے جزوی طور پر اتفاق کرتے ہیں مگر بعد میں وہ ان خیالات کو صوفی ازم سے منسلک کرتے ہیں۔ میزبان خوب آؤ بھگت کرتے ہیں۔ ان کا محبت سے بھرپور برتاؤ مہمان نوازی کی عمدہ مثال پیش کرتا ہے۔ اگلے دن محمد خالد اختر اپنے دوست کے ہمراہ واپسی کا سفر اختیار کرتے ہیں۔ یہ سفر نامہ معلوماتی اعتبار سے واجبی حیثیت رکھتا ہے مگر سفر نامے کا مجموعی تاثر دل کو لبھانے والا ہے کیوں کہ محمد خالد اختر کا انداز نہایت سلجھا ہوا اور سادگی پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سفر نامے میں شروع سے آخر تک قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

سفری روداد "استنبول کے گنبد" کے اپنے دوستوں اجمل اور زینت کے ہمراہ استنبول کی سیاحت پر مبنی ہے۔ اس سفر کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ سفر نامہ ایک خط کی صورت میں تحریر کیا گیا ہے۔ محمد خالد اختر ایک مکتوب نگار کے طور پر "آغا رمزی" کو خط لکھتے ہیں کہ آغا رمزی ان "پالنیوں" کے مالک ہیں جن میں محمد خالد اختر اور اُن کے دوست استنبول میں قیام کے دوران رہائش رکھتے ہیں۔ محمد خالد اختر، آغا رمزی سے مکالماتی انداز میں سفری واقعات و مشاہدات کا آغاز کرتے ہیں، ان کا سامنا ایک خوب صورت ترک دوشیزہ سے ہوتا ہے جو گائیڈ کے فرائض انجام دے رہی تھی۔ اجمل دل پھینک طبیعت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ محمد خالد اختر اس موقع پر نہایت دلچسپ منظر کشی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سرشت تو فقیر (محمد خالد اختر) کی بھی یہی ہے لیکن معدے کی خرابی نے ان کی طبیعت میں افسردگی اور بیزاری پیدا کر دی ہے کیوں کہ خواتین سے دلچسپی میں ہاضمے کا کردار نہایت اہم ہوتا ہے۔ محمد محخالد اختر کے انگریزی ادب میں لگاؤ کے باعث اس سفر نامے میں انگریزی تصانیف اور مصنّفین کا کئی جگہوں پر حوالہ ملتا ہے۔ یہاں چینی برتنوں کا خزانہ بھی تھا جسے ایک انگریز مصنف نے دیکھا اور سراہا۔ محمد خالد اختر اس حوالے سے دلچسپ انداز میں لکھتے ہیں:

"چینی ظروف کی صناعی اور نزاکت ان کی بناوٹ کے حسن و قبح کی ہندی کی چاندی اپنی سفری سرگزشت میں ایسی کہ چینی برتنوں سے میرا دل اُٹھ گیا۔" (۱۳)

محمد خالد اختر کا یہ سفر نامہ اس لیے بھی باکمال ہے کہ یہ ایک خط کے انداز میں لکھا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس سفر نامے میں قاری کی دلچسپی ماند نہیں پڑتی بلکہ ان کا مکالماتی انداز ایک نیا اور اچھوتا تاثر پیدا کرتا ہے جو کہ دیگر سفر نامہ نگاروں کے ہاں عام طور پر ناپید ہو چکا ہے۔ مرمرہ کے ساحل سے آئی ٹھنڈی ہواؤں اور دیگر مناظر کی محمد خالد اختر نے ان الفاظ میں تصویر کشی کی ہے:

"صبح کی ٹھنڈی ہوا بحیرۂ مرمر سے آئی تھی اور سورج ہنوز آغازِ سفر میں کوٹھوں کی بلندی تک نہ آیا تھا۔۔۔ مرمرہ پر دخانی جہاز سمیہ، ماہی گیروں کی ناویں سفینے صبح مراد کے ماندرواں دواں تھے" (۱۴)

محمد خالد اختر نے استنبول سے روانگی کا منظر بیان کیا ہے نیز آغا رمزی کے غم زدہ ہونے کی خوب صورتی سے عکاسی کی ہے۔ محمد خالد اختر قنوطیت کا شکار ہونے کے باوجود لطف اندوز ہونے کے مواقع ڈھونڈ لیتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال آغا رمزی سے ملاقات ہے۔ ان کی ہر تحریر سے انگریزی مصنّفین اور تصانیف سے گہرا لگاؤ اُجاگر ہوتا ہے:

"کردار کی اصطلاح شخصیت کی اصطلاح سے کم دلکش نہیں ہے۔ ان دونوں کا استعمال اکثر ایک دوسرے کے بدل کے طور پر ہوتا ہے۔" (۱۵)

سفر نامہ "کیا ہم ابھی قونیہ میں ہیں" میں محمد خالد اختر کے ہمراہ ان کے دوست اجمل اور زینب ہیں۔ مصنف نے سفر کے حوالے سے معلومات فراہم نہیں کیں کہ وہ کن اغراض و مقاصد کی خاطر ترکی پہنچے۔ لہٰذا یہ مختصر سفری سرگزشت صرف قونیہ میں قیام کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ ان کی جلال الدین رومی کے مزار پر حاضری اور روحانی وابستگی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قونیہ جانے کی وجہ یہ شہر ہے۔ اس سفر نامے میں زیادہ تر جلال الدین رومی اور ان کی زندگی سے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں جب کہ دیگر معلومات کا سرسری حوالہ ملتا ہے۔ قونیہ میں اپارٹمنٹ بلاک دیکھ کر ان کی توقعات ماند پڑ جاتی ہیں کیوں کہ محمد خالد اختر کو لگتا ہے کہ اس شہر کے نقوش درویشانہ انداز پر مبنی بے طریق ہونے چاہئیں اس کے برعکس کسی خاص طریق پر بنے ہوئے شہروں سے انسانی قلب مرجھا جاتے ہیں۔ اسٹیشن سے باہر نکلتے ہی ان سب کا گزر ایک کوچے سے ہوتا ہے جہاں قدیم طرز کے مکانات دیکھ کر محمد خالد اختر اپنے جذبات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"بس اسٹیشن سے نکل کر ہم ایک کوچے سے گزرے جس کے دونوں طرف قدیم طرز کی حویلیاں تھیں صاف ستھری اور مسرت بخش۔ وہ بھیانک اپارٹمنٹ بلاک نہیں یہ میرے شہر بہاول پور کا کوئی محلہ ہو سکتا ہے۔" (۱۶)

محمد خالد اختر، مولانا روم کے مزار کی بیرونی حالت کا موازنہ وطن عزیز کے مزارات سے کرتے ہیں۔ مولانا کے مزار کے باہر بھیک مانگتے فقیر، جھولی میں چھوٹے بچوں کو اُٹھائے آہ و بکا کرتی خواتین اور اپاہجوں کا جمگھٹ نہیں تھا بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے صاف ستھری سیر گاہ کا سماں ہے۔ ترکی میں لفظ مولانا کو میولانا کہا جاتا ہے اور اگر کوئی مولانا کہے تو اس کی فوراً تصحیح کی جاتی ہے۔ اس کی وجہ ان کا لاطینی سکرپٹ ہے۔ محمد خالد اختر مزار پر پہنچ کر فرطِ جذبات سے رو پڑتا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں:

"کیا میں اس بڑے بھولے بھالے آدمی جلال الدین کے واسطے رو رہا تھا جس نے اتنے وبال اور دکھ جھیلے تھے اور دنیاداری سے منہ موڑ کر تلاشِ حق میں دوسرے کی ذات میں اپنے آپ کو فنا کر دینے کا جتن کیا۔" (۱۷)

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.5 No.2 2022

محمد خالد اختر کا بیماری میں سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا اور محققانہ انداز میں پورے سفر کی روداد بیان کرنا قابلِ ستائش ہے۔ ان کا اندازِ نگارش روایتی ہونے کے باوجود اپنی انفرادیت قائم رکھے ہوئے ہے۔ انھوں نے اس سفر نامے میں بھی ثقیل الفاظ سے پرہیز کیا ہے۔ لہٰذا قاری نہ صرف پوری دلچسپی سے سفر نامے کو پڑھتا ہے بلکہ یوں محسوس کرتا ہے کہ جیسے دورانِ سفر اُن کے ہمراہ تھا۔

آئلز آف گریس لارڈ بائرن کی نظم سے ماخوذ عنوان پر مشتمل سفر نامہ "آئلز آف گریس" میں محمد خالد اختر اپنے دوستوں اجمل اور زینت کے ہمراہ یونان کی سیاحت کے لیے اختیار کرتے ہیں۔ یہ سفری روداد مختصر ہونے کے باوجود اپنے اندر گہرائی لیے ہوئے ہے۔ یہ لوگ بذریعہ یونانی ٹیوب پیرس پہنچتے ہیں اور پھر وہاں سے طینوس کے لیے جہاز پر سوار ہوتے ہیں۔ محمد خالد اختر یونانی جہازوں کی تعریف کرتے ہوئے برطانوی سیاح کے خیالات کو رد کرتے ہیں کہ جس نے یونانی جہازوں کے خستہ حال ہونے کا شکوہ کیا تھا۔ وہ جہازوں کی خوب صورتی کے حوالے سے جذباتی ہو جاتے ہیں جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ قدرتی حسن کے دلدادہ ہیں۔ اس سفر کی منظر کشی نہایت دلچسپ انداز میں بیان کی گئی ہے ۔ محمد خالد اختر اہلِ یونان کے اعتقادات کا مختصر ذکر کرتے ہیں کہ کس طرح اہلِ یونان عجیب و غریب تخیل کے حامل ہیں۔ ان کے خدا بھی عام انسانی مزاج رکھتے ہیں۔ وہ ایک تاریخی بات لکھتے ہیں:

> "یہ سچ ہے کہ آدمی اپنے دیوتاؤں اور خداؤں کو ہمیشہ انھیں گنوں اور جبلتوں سے متصف کرتا ہے جو خود اس کی اپنی ہیں وہ انھیں اپنے ہی قلبی آئینے میں دیکھتا ہے۔" (۱۸)

محمد خالد اختر نے اس سفر نامے میں چند دنوں کی سیاحت میں اس قدر عمیق مشاہدات درج کیے ہیں کہ ان کے پختہ ادبی شعور کا منہ بولتا ثبوت سامنے آتا ہے۔ یونان اور ترکی کی سیاحت کے سفر ناموں میں یہ سفر نامہ اگرچہ اختصار پر مبنی ہے لیکن تاثراتی حوالے سے اس میں ایک اچھے سفر نامے کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔

محمد خالد اختر کا ریاست بہاول پور کے قصبے خان بیلا میں ایک مدرسے کی سیاحت پر مبنی سفر نامہ "دہقانی یونی ورسٹی" کے عنوان سے منظر عام پر آیا۔ سفر نامے کا غالب حصہ اسی مدرسے کی تعریف اور احوال پر مبنی ہے۔ سفر نامے کے آغاز میں محمد خالد اختر خان بیلا کے تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ معلومات بہت روانی اور سلاست سے لکھی گئی ہیں نیز دُور اُفتادہ علاقوں کی زندگی میں اُلجھنوں اور مشکلات کا ذکر بھی سفر نامے میں ہے۔ ایک دہقان کی ذاتی کوششوں سے یہ تعلیمی مرکز چل رہا تھا۔ دو ہزار سے زائد کتب بھی یہاں موجود ہیں جن میں کئی نادر و نایاب نسخے بھی شامل ہیں۔ محمد خالد اختر خود بھی مطالعے کے شوقین تھے، وہ کتابوں سے محبت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> "مجھے کتابوں سے محبت ہے، پرانی قدیم، سڑے ہوئے کونوں والی ورقوں، انگوٹھوں سے میلے صفحوں والی کتابوں سے خصوصاً دنیا میں کوئی خوشبو مجھے اس سے زیادہ پسند نہیں جو بوسیدہ نسخوں، ان کی قدیم جلدوں اور زرد ہوئے اوراق سے آتی ہے۔" (۱۹)

محمد خالد اختر نے ایک مذہبی شخص کی عمدہ کوشش کو نہایت خوب صورتی اور روانی سے بیان کیا ہے۔ ان کے ممدوح ہمیشہ انگریز مصنّفین ہوا کرتے تھے لیکن اس سفر میں دور اُفتادہ علاقے کی سیر کے لیے سائیکل کا استعمال کرنا اور ایک مذہبی شخص سے گہری وابستگی کا اظہار قاری کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ محمد خالد اختر چونکہ علمی ادبی ماحول میں پیدا ہوئے اس لیے انہیں کتابیں اور رسائل پڑھنے کا جنون تھا، کتب بینی کی اس خاصیت کے بارے میں اشفاق احمد بیان کرتے ہیں:

> "آپ نے نابینا حضرات کو بریل لکھت کی کتابیں تو پڑھتے دیکھا ہو گا جو ابھرے ہوئے لفظوں پر انگلیاں پھیر کر نفس مضمون کو اچھی طرح سمجھ جاتے ہیں اور موٹی کتابیں گھنٹوں میں ختم کر لیتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس دنیا کی کسی بھی زبان میں چھپی ہوئی "ہومر" پر کوئی کتاب ہو تو محمد خالد اختر کو ایک لمحے کے لئے دیجیے اور پھر اس چہرے پر مسکراہٹ کی ڈوبتی ابھرتی لہروں کا نظارہ کیجئے۔ نبض دیکھ کر مریض کے ذہنی اور جذباتی معاملات کو بہت دور تک سمجھ جانے کے قصے تو سنے تھے لیکن کسی کتاب کو محض ٹچ سسٹم کے ذریعے اپنے اندر اتارنے کا کمال ہم نے صرف محمد خالد اختر میں ہی دیکھا ہے۔" (۲۰)

محمد خالد اختر کو مشرقی ادب کے ساتھ ساتھ مغربی ادب پر بھی مہارت حاصل ہے۔ وہ دورانِ سفر اپنے سامنے آنے والے اشخاص کی ظاہری شکل وصورت، وضع قطع اور بول چال کو مد نظر رکھتے ہوئے مختلف فرضی نام دیتے ہیں جن میں مغربی ناولوں کے مشہور کردار نمایاں ہیں۔ ان کا یہ انداز قاری کو مسحور کرتا ہے۔ وہ اپنی اس فطری خوبی کو نہایت عمدگی سے برتنا جانتے ہیں اور موقع کی مناسبت سے ایسا چٹکلہ چھوڑتے ہیں کہ قاری لطف اندوز ہوتا ہے:

"خالد اختر کا مزاج ہلکا پھلکا اور پر لطف ہے، یہ صرف ہلکی سی مسکراہٹ پیدا کرتا ہے، بعض اوقات یہ مسکراہٹ بھی لبوں تک پہنچنے کی بجائے کہیں ذہن ہی میں دم توڑ جاتی ہے۔ اگرچہ ان کے ہاں بعض جملے بڑے اچھے اور پر لطف ہیں لیکن ان کی آمد طویل وقفوں کے بعد ہوتی ہے۔" (۲۱)

ایک قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ وہ بظاہر کم گو اور بیزار طبیعت کے حامل ہیں نیز ان کے مزاج میں قنوطیت پائی جاتی ہے، اس بات کے پس منظر میں ان کے گھریلو مسائل کارفرما ہیں۔ اپنی زوجہ محترمہ سے ذہنی ہم آہنگی نہ ہونے کا اظہار انھوں نے اپنے خطوط کے علاوہ دوستوں سے کیا۔ اور کئی موقعوں پر اس کا ثبوت بھی فراہم کرتے ہیں:

"وہ اتنی خالی الذہن اور احمق ہوتی ہیں کہ ان کے جیتنے کے لیے اونچی فلاسفی، ادبی ذوق، شاندار گفتگو اور یوسفانہ نقوش کوئی کام نہیں دیتے۔ ان کی کسی مرد کی پسند مونچھیں تھپکنے یا اسی قسم کی کسی اور بے ہودہ عادت پر منحصر ہوتی ہے۔" (۲۲)

اپنے اس دعوے کے برعکس بہت مرتبہ خوش گوار اور زندگی سے بھرپور تاثر بھی پیدا کرتے ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ خود جینے اور دوسروں کو جینے دینے کے فلسفے کا حامی ہے محمد خالد اختر اپنے تخیلاتی انداز پر منطق کو ترجیح دیتے ہیں چاہے وہ کسی بھی رنگ و نسل یا ملک و ملت سے ہو، بے لاگ تجزیہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے سفر ناموں میں غیر ضروری معلومات نہیں دیتے کہ جس سے انداز تحریر میں بوجھل پن پیدا ہو جیسا کہ اکثر سفر نامہ نگار یہ رویہ اپناتے ہیں جس سے سفر نامہ دلچسپی کی بجائے معلوماتی ذریعہ اظہار تک محدود رہ جاتا ہے۔ محمد خالد اختر کے سفر ناموں کا قاری پر مسرت کیفیت سے مطالعہ کرتا ہے۔ یہ جاذبیت شروع سے آخر تک برقرار رہتی ہے۔ اس کی ایک وجہ محمد خالد اختر کی انسانی نفسیات سے شناسائی قرار دی جاسکتی ہے۔

محمد خالد اختر کا شمار ایک پیدائشی قلم کار کے طور پر ہوتا ہے۔ ان کے الفاظ کا چناؤ اوائل عمر سے ہی پختہ تھا۔ یقیناً وہ ادبی شعور کی حامل مایہ ناز شخصیت ہیں۔ کسی بھی ادیب کی سب سے بڑی کامیابی یہی ہوتی ہے کہ اس کی تحریر میں دلچسپی برقرار رہے، یہی خصوصیت محمد خالد اختر کے ہاں موجود ہے کیونکہ ان کی تحریر میں فکری ارتقا ہے نیز وہ انتہا پسندی کی بجائے نظریات و خیالات میں تنوع کے قائل ہیں۔ یہ خاصیت وسیع النظری کا باعث قرار دی جاتی ہے۔ محمد خالد اختر کے اسفار میں عہدِ حاضر کی دلچسپ اور حقیقت پسندی پر مبنی تصویر شامل ہے۔ سفر نامہ ایسی صنفِ ادب ہے جہاں اس خوبی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ محمد خالد اختر کے سفر ناموں میں انفرادیت اور اندازِ تحریر مخاطبانہ ہے۔ ان کی قوتِ مشاہدہ تحسین کے لائق ہے نیز اندازِ نگارش نہایت دل کش ہے۔ عام طور پر سفر نامہ نگار سفر نامے کے دوران پیش آنے والے واقعات من و عن بیان کرتے ہیں جب کہ محمد خالد اختر کا انداز اچھوتا اور منفرد ہے۔

حوالہ جات

۱۔ علی تنہا، لفظ تولنے والا، (لاہور: فنون، مئی / جون ۱۹۸۵ء)، ص: ۵۱۵

۲۔ خالد اختر، محمد، مجموعہ محمد خالد اختر، (کراچی: آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۰۱۱ء)، ص: ۷۹

۳۔ ایضاً، ص: ۱۰۰

۴۔ منیر احمد شیخ، تبصرہ، (لاہور: فنون، مئی / جون ۱۹۸۵ء)، ص: ۵۵۱

۵۔ خالد اختر، محمد، مجموعہ محمد خالد اختر، ص: ۱۴۶

۶۔ ایضاً، ص: ۲۶۷

۷۔ راشد اشرف، محمد خالد اختر۔ اردو مزاح نگاری کا اہم ستون (پاکستان: ہماری ویب)، ص ۴۰

۸۔ ایضاً، ص: ۲۱۰

۹۔شاہد حسن رضوی،ڈاکٹر،سہ ماہی الزبیر"،(بہاول پور:اُردو اکیڈمی،۱۹۹۴ء)،ص:۳۴۴

۱۰۔خالد اختر،محمد،مجموعہ محمد خالد اختر،ص:۱۳

۱۱۔ایضاً،ص:۲۷۵

۱۲۔ایضاً،ص:۳۴۵

۱۳۔ایضاً،ص:۳۷۰

۱۴۔ایضاً،ص:۴۰۶

۱۵۔ نجم الہدی،ڈاکٹر،کردار اور کردار نگاری،(پٹنہ:بہار اُردو اکیڈمی،۱۹۸۰ء)،ص:۹۷

۱۶۔خالد اختر،محمد،مجموعہ محمد خالد اختر،ص:۴۴۰

۱۷۔ایضاً،ص:۴۴۷

۱۸۔ایضاً،ص:۴۲۰

۱۹۔ایضاً،ص:۲۶

۲۰۔اشفاق احمد،محمد خالد اختر،(لاہور:فنون،مئی/جون۱۹۸۵ء)،ص:۵۰۷

۲۱۔رؤف پاریکھ،ڈاکٹر،اردو مزاح نگاری کا سیاسی اور سماجی پس منظر(کراچی:انجمن ترقی اردو،۱۹۹۲ء)،ص:۳۷۷

۲۲۔محمد خالد اختر،بیس سو گیارہ(کراچی:آج کتب خانہ،پیپر بک سیریز،۱۹۹۹ء)،ص:۳۵